اسلامی معاشرے میں حق گوئی

سید اسعد گیلانی

اسلامی معاشرے میں حق گوئی کو جہاد اکبر قرار دیا گیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی اور قابلِ قدر نیکی ہے اس لیے کہ اجتماعی زندگی کو پاک وصاف رکھنے اور معاشرے کی اخلاقی صحت کو بحال رکھنے کے لیے اسلامی تربیت کے ساتھ ساتھ تنقید و احتساب کا اہتمام بھی ایک نہایت ضروری کام ہے۔ حضورؐ اکرم نے اپنے قائم کردہ اسلامی معاشرے میں حق گوئی کو شعارِ عام بنانے کا خصوصی اہتمام فرمایا تھا۔ آپ نے احتساب کی روح کو خدا ترسی کے جذبے کے ساتھ منسلک کر کے اُسے ایک مثبت اور تعمیری قوت بنا دیا تھا۔ حضورؐ نے جو اسلامی معاشرہ قائم فرمایا اُس کی خصوصیات میں حق گوئی کو ایک بنیادی خصوصیت قرار دیا گیا۔ معاشرے میں مداہنت ایک گھٹیا صفت قرار پائی۔ حق گوئی کو جہادِ اکبر کہا گیا۔ صداقت کو چھپانا شیطان کا فعل قرار پایا۔ خرابی اور بدی کا تدارک ہر فرد کا انفرادی فریضہ ٹھہرایا گیا۔ ظلم و عدوان کے خلاف آواز بلند کرنا، حق پسندی کو فرد کی طبیعت کا جزو بنانا اور حق گوئی کو مسلکِ عام اور جزوِ ایمان سمجھنا، یہ ساری خوبیاں معاشرے کی اجتماعی تعلیم و تربیت کا حصہ قرار دی گئیں۔ حق کو چھپانے اور منکر پر خاموش رہنے کو گونگے شیطان کا فعل کہا گیا۔ اور ایسے شخص کو قیامت کے دن آگ کی لگام لگانے کی دھمکی دی گئی جو ظلم کے مقابلے میں کلمۂ حق بیان نہ کرے۔ غرض اسلامی معاشرے کا ضمیر اِس صفت پر استوار کیا گیا کہ حق کی حمایت بہر حال کی جائے گی چاہے وہ دشمن کی طرف سے ہی ظاہر کیوں نہ ہو اور ناحق کی بہر حال مخالفت کی جائے گی چاہے وہ اپنے اندر ہی کیوں نہ پایا جائے۔

انسان کے اندر اس کا ضمیر معروف احکام کا پابند ایک نفسیاتی مقام ہے۔ چنانچہ اسلامی معاشرے

میں ضمیر کی آواز کے مطابق عمل کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ ضمیر کو دبانا اور اس کے خلاف کام کرنا گھٹیا درجے کی کم ظرفی اور فطرتِ انسانی کا گھٹیا مظہر تصور کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ انسان کا ضمیر اُس کی نیکی کی داخلی آواز ہے۔ غریب اور مظلوم شخص کو دیکھ کر مدد اور رحم کا جو جذبہ انسان کے اندر اُبھرتا ہے اور اُس کی دست گیری کے لیے انسان کے دل میں جو تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص ضمیر کی آواز کو بار بار دباتا ہے تو در اصل وہ معروف اور نیکی کی آواز کو دبا کر اُسے بے زبان کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان کے اندر نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کا احساس ہی مردہ ہوتا چلا جاتا ہے اس لیے اسلام ضمیر کو دباتا نہیں اُبھارنا چاہتا ہے تاکہ نیکی کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی رہے جو بدی کے خلاف انسان کی داخلی مزاحمت کی بہترین قوت ہے۔

قرآن نے کہا

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ (سورۃ قیامۃ:۱)

ترجمہ: اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو انسان کو اس کی بُرائیوں پر ملامت کرتا ہے۔

مزید بتایا گیا کہ انسان کے اندر نیکی بدی کا پیمانہ باقاعدہ انسانی ضمیر کی صورت میں ہی نصب کیا گیا ہے۔

فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا (الشمس)

ترجمہ: ہر نفس میں اُس کی بدی و نیکی کو الہام کر دیا گیا ہے۔

حضورؐ نے نیکی بدی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔

"نیکی حسنِ اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹک پیدا کرے اور تجھ کو پسند نہ ہو کہ تیرے اس کام کو لوگ جانیں"۔

اسی طرح ایک صحابی حضرت وابصہؓ سے نیکی اور گناہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا۔

"اے وابصہؓ اپنے دل سے پوچھا کر، اپنے نفس سے فتویٰ لیا کر، نیکی وہ ہے جس سے دل اور نفس میں طمانیت پیدا ہو اور گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور نفس کو ادھیڑ بن میں ڈالے۔ اگرچہ لوگ تجھے اس کا کرنا جائز ہی کیوں نہ بتائیں"۔

ظاہر ہے کہ انسان کی یہ داخلی کیفیات اس کے ضمیر سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔ یہی وہ خدا کا واعظ ہے جو انسان

کے اندر پہرہ دینے کے لیے بٹھایا گیا ہے تاکہ اُسے سیدھے راستے پر قائم رکھے اور دائیں بائیں کے بھٹکنے والے راستوں پر مڑ جانے سے روکے، اسی لیے فرمایا گیا تھا۔

"جب تمہاری نیکی تم کو خوشی بخشے اور تمہاری بدی تم کو غمگین کر دے تو تم مومن ہو"۔

حضورؐ نے مومن کو داخلی طور پر اس طرز کی تعلیم دے کر اُسے حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت کرنے کے لیے تیار کیا اور اُسے ایک خاص سانچے میں ڈھالا جو باطل کے نقشے میں کبھی موزوں نہیں ہو سکتا۔ خالص مومن ہمیشہ اپنی فطرت کے زور سے ہی باطل کے خلاف کشمکش کرتا رہتا ہے۔ غرض جب مومن کا مزاج حق پسندی، حق طلبی اور حق پناہی کے سانچے میں پوری طرح ڈھل گیا تو پھر اُسے حق گوئی کا حکم دیا گیا۔ انفرادی حیثیت سے بھی اور اجتماعی حیثیت سے بھی۔ حضرت لقمان کی زبان سے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ (لقمان:۲)

اچھی بات کا حکم دو اور بدی سے روک دو۔

مومنین کی معاشرے کے اندر یہ صفت بیان کی گئی۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ (العصر)

وہ آپس میں حق کی نصیحت اور ثابت قدمی کی تلقین کرتے ہیں۔

مزید فرمایا۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (بلد: ۱)

وہ آپس میں ثابت قدمی اور مہربانی کی تلقین کرتے ہیں۔

بہ حیثیت جماعت ان کا یہ فریضہ قرار دیا گیا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلِ عمران: ۱۲)

تم سب سے بہتر اُمت ہو جو لوگوں کو اچھی بات کا حکم دیتے ہو اور بُری بات سے روکنے ہو۔

اسی لیے حضورؐ نے ہر ایک کو راعی (ذمہ دار) قرار دیا۔

كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته

تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کی نسبت باز پرس ہوگی۔

اس طرح حق گوئی کو انفرادی سے لے کر اجتماعی زندگی تک معاشرے میں ایک رواں دواں خوبی کی حیثیت سے جاری کر دیا گیا تاکہ اس کی مدد سے معاشرہ اپنے نظریاتی اور اسلامی موقف سے سرِمُو ہٹ نہ سکے۔ ہر قابلِ اعتراض شے کو ٹوکنے والی اور ہر تجاوز و ترمیم کو روکنے والی زبان ہر جگہ موجود ہو جو زندگی کا بڑے سے بڑا خطرہ مول لے کر بھی اس ترمیم و تجاوز و تحریف کی نشان دہی کرے۔ اسی لیے سلطان جابر کے سامنے کلمۂ حق کہنے کو افضل الجہاد قرار دیا گیا اس لیے کہ سلطان جابر حق کے مقابلے میں ناحق کا پشتیبان بن جاتا ہے اور اس کے سامنے کلمۂ حق ادا کرنے سے پورے معاشرے کے فرد فرد کے ضمیر میں قوتِ زندگی نمودار ہوتی ہے جو معروف کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انحطاط ایک معمولی سی کوتاہی کا مسلسل پرورش پاتے رہنا ہے اور پھر اس کی ممد و معاون کوتاہیوں اور خامیوں کا اس کے ساتھ اُبھرتے چلے جانا ہے۔ اگر معاشرے میں یہ اہتمام ہو کہ ہر کوتاہی کو چاہے وہ کسی بھی مقام پہ اُبھرے اُسے روکا اور ٹوکا جائے تو جس طرح ایک باغ نلائی ہوتے رہنے سے سنورتا رہتا ہے لیکن اگر کسی باغ کی دیکھ بھال نہ ہو اور اس میں ہر جنگلی گھاس پودے اور جھاڑی کے لیے اُگنے پھیلنے پھولنے اور بڑھنے کی فضا سازگار موجود ہو تو وہ باغ ایک روز جنگل بن کر رہتا ہے۔ یہی حال معاشرے کا ہے۔ اگر کسی معاشرے میں احتساب کا عمل جاری رہے تو معاشرہ اپنی اصلی اور حقیقی نظریاتی بنیادوں پر معیار کے مطابق قائم رہتا ہے اور اگر یہ عمل رُک جائے تو بگاڑ مختلف صورتوں میں نمودار ہونے لگتا ہے۔ اِسی لیے حق گوئی کو دُنیا کے ہر معاشرے میں عموماً اور اسلامی معاشرے میں خصوصاً انتہائی قدر و منزلت کا بلند مقام شمار کیا گیا ہے اور جو لوگ حق گوئی کے نتیجے میں مصائب سے دوچار ہوتے رہے ہیں۔ تاریخ انسانی نے انہیں اعلیٰ اخلاقی مراتب پہ فائز شمار کیا ہے۔

بنی اسرائیل کے انحطاط اور اخلاقی تنزل کا ذکر فرماتے ہوئے حضورؐ اکرم نے صحابہ کرام کی مجلس میں فرمایا۔

"بنی اسرائیل میں اخلاقی تنزل اسی طرح شروع ہوا کہ جب اُن میں بُرائی پھیلنے لگی تو پہلے تو اُن کے علماء نے انہیں منع کیا۔ لیکن جب وہ نہ ملنے تو وہ اُن کے ساتھ بیٹھنے اُٹھنے اور کھانے پینے لگے۔ پھر صحبت کے اثر سے وہ بھی ویسے ہی ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ اور عیسیٰؑ کی معرفت اُن پر لعنت کی۔ اس کے بعد حضورؐ سنبھل کر بیٹھ گئے اور فرمایا ہرگز نہیں بخدا تم

بھی بچ نہیں سکتے۔ جب تک تم بھی ظالم کا ہاتھ نہ پکڑو اور اس کو حق کے سامنے جھکا نہ دو۔"

لیکن حق گوئی کا یہ کام حکمت و خوبی سے کرنے کا ہے۔

وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا (النساء: ۴)

اور تو اُن کو نصیحت کر اور اُن سے دلنشیں بات کہہ۔

طاقتور کے لیے تو حق گوئی اس کے حکم کی حیثیت رکھتی ہے، جس سے کسی کو بھی تابِ انکار نہیں ہوتی۔ درحقیقت حق گوئی کا حقیقی جوہر اس وقت کھلتا ہے جب وہ فرد کی طرف سے جماعت کے مقابلہ میں، شہری کی طرف سے ریاست کے مقابلے میں، مظلوم کی طرف سے ظالم کے مقابلے میں اور کمزور کی طرف سے طاقتور کے مقابلے میں کی جاتی ہے۔ اس وقت وہ ایک قابلِ تعریف اور قابلِ داد صفت بن کر نمودار ہوتی ہے۔ حق گوئی کی مزاحم قوت خوف ہے اور خوف کی موجودگی اور اس کے علی الرغم سچی بات کہہ دینے کا نام ہی حقیقی حق گوئی ہے۔

وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (مائدہ: ۸)

"اور یہ لوگ (اہل ایمان) کسی ملامت کرنے والے کی کسی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

اس لیے حضورؐ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا۔

"جب کسی کو کوئی حق بات معلوم ہو تو چاہیئے کہ اس کے کہنے سے انسانوں کا خوف مانع نہ ہو۔"

ایک اور موقعہ پر آپؐ نے فرمایا۔

"کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو کیونکر حقیر سمجھ سکتا ہے، فرمایا اس طرح کہ اس کو خدا کے بارے میں ایک بات کہنے کی ضرورت ہو اور وہ نہ کہے، ایسے شخص سے خدا قیامت کے دن کہے گا کہ تم کو میرے متعلق فلاں فلاں حق بات کے کہنے سے کس چیز نے روکا۔ وہ کہے گا کہ انسانوں کے خوف نے۔ ارشاد ہو گا کہ تم کو سب سے زیادہ میرا خوف کرنا چاہیے تھا۔"

صحابہ کرام بڑے بڑے ہیبت ناک اور ظالم بادشاہوں کے درباروں میں بھی جاتے تھے تو ان درباروں اور اُن کے کرداروں کو گڈے گڑیا کے کھیل سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ اسلامی ریاست کے سفیر بن کر

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ایران کے دربار میں گئے تو بھرے دربار میں سے گذرتے ہوئے سیدھے بادشاہ کے تخت پر جا چڑھے اور اس کے کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر بیٹھ گئے۔ درباریوں نے یہ صورتِ حال دیکھ کر انہیں تخت سے نیچے اُتار دیا تو اس پر وہ کہنے لگے "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم لوگوں نے اپنے بادشاہوں کو خدا بنا رکھا ہے۔ ہمارا خلیفہ تو ہمارے درمیان ہمارے برابر بیٹھتا ہے۔"

حق گوئی کی اس تربیت کی خاطر ہی حضورؐ نے فرمایا تھا۔

"تم میں سے جو شخص بُرائی کو دیکھے اور اس کو ہاتھ سے مٹا دینے کی طاقت رکھتا ہو تو اُسے ہاتھ سے مٹا دے ورنہ زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے۔ لیکن یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"

حضورؐ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ میں یوں تو ایک ایک فرد عزیمت اور حق گوئی کا ہمالیہ تھا۔ لیکن حضرت ابوذر غفاریؓ کا مرتبہ نہایت بلند تھا۔ انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو پھر اُسے پوشیدہ رکھنا پسند نہ کیا۔ انہوں نے تنِ تنہا جا کر حرمِ کعبہ میں توحید کا نعرہ بلند کر دیا اور اُس وقت تک خاموش نہ ہوئے جب تک مار کھاتے کھاتے بے دم نہ ہو گئے۔ اسی لیے حضورؐ اکرم نے اُن کے بارے میں فرمایا تھا کہ۔

"آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابو ذرؓ سے زیادہ حق گو اور کوئی نہیں ہے۔"

حضرت ابوسعیدؓ خدری بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ اکرم نے ایک طویل خطبے میں فرمایا:۔

"ہوشیار رہنا، کہ کسی کی ہیبت تم کو اس حق بات کے کہنے سے باز نہ رکھے جو تم کو معلوم ہے۔"

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ اکرم نے فرمایا:۔

"قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضرور کرتے رہو ورنہ یہ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم سب پر اپنا عذاب نازل فرمائے اور تم اُسے پکارتے رہو اور تمہیں جواب نہ ملے۔"

حضورؐ نے مزید فرمایا جسے حضرت عُرس بن عمیرہ نے روایت کیا۔

"جس کی موجودگی میں بُرائی عمل میں لائی جائے اور وہ اُسے روکے تو اُس کی موجودگی بھی غیر موجودگی کے برابر ہے اور جو اس بُرائی سے راضی رہا اور نہ ٹوکا تو اُس کی غیر موجودگی بھی موجودگی کے برابر

شمار ہوگی۔"

اعانتِ حق کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا۔

"جس کسی کے سامنے اس کے بھائی مومن کی تذلیل ہو رہی ہو اور وہ امداد کی قدرت رکھتا ہو۔ اگر بھی اس کی مدد نہ کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے اُسے رسوا کرے گا۔"

نیکی کا حکم دینے اور بُرائی کے تدارک کی کوشش کرنے کو اتنی اہمیت دی گئی کہ حضورؐ نے یہ رعایت تک فرمائی کہ اگرچہ کہنے والے کا نیکی پر عمل اور بُرائی سے اجتناب کامل نہ ہو تو بھی اُسے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا چاہیے۔ حد یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے مسلمانوں میں ایک گروہ کا مستقل وجود ضروری قرار دیا گیا جو مستقل طور پر امت میں نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے بچنے کی پیہم تلقین کرتا رہے۔

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران : ۱۰۴)

ترجمہ۔ تم میں سے ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے۔ ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔"

اور اگر پوری اُمت میں کوئی بھی حق گوئی کا فریضہ انجام نہ دے رہا ہو تو پوری اُمت گنہگار قرار پاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔

"نیکی کا حکم دیا کرو، ورنہ تم سے بدتر مخلوق تم پر حاکم بنا دی جائے گی اور پھر تم میں سے بہتر اشخاص کی دُعائیں بھی قبول نہ ہوں گی۔"

حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

"تمام شہیدوں میں سے افضل شہید وہ ہے جو ظالم بادشاہ سے احتساب کرے اور پھر اس میں مارا جائے۔"

چنانچہ قرآن نے حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت کا ذکر کرتے ہوئے تلقینِ حق کے کام کو عزم الامور میں سے قرار دیا ہے۔ یعنی کٹھن اور نہایت درجہ کو ہمت کا کام جس کے راستے میں تکلیف پہنچتی ہے اور جو راستہ صبر سے ہی طے ہو سکتا ہے اس لیے کہ دراصل یہ انبیاء کا راستہ ہے، جس پر باہمت صالحین ہی چل سکتے ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں۔

"میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چند امور خیر کی وصیت کی۔ مجھے نصیحت کی کہ خدا کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں اور مجھے نصیحت کی کہ حق بات کہوں خواہ وہ کڑوی ہی کیوں نہ لگے"۔

حضرت عمرؓ فاروق نے حضورؐ اکرم سے روایت کی کہ حضورؐ نے فرمایا۔

"یقیناً آخر زمانہ میں میری اُمت کو اُن کے بادشاہوں کی جانب سے سختیاں لاحق ہوں گی، اس سے وہی شخص نجات پائے گا جس نے خدا کے دین کو پہچانا اور اس کے لیے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے جہاد کیا۔ پس یہی شخص ہے جس کے لیے دنیا و آخرت کی سعادت آگے بڑھے گی"۔

حق گوئی پر اُبھارتے ہوئے حضورؐ نے مزید فرمایا۔

"جب تم دیکھو کہ میری اُمت ظالم کو ظالم کہنے سے ڈر رہی ہے تو سمجھ لو کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے"۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کی حفاظت اُس پر سے اُٹھا لی گئی ہے)۔

اس طرح حضورؐ اکرم نے اپنے قائم کردہ اسلامی معاشرے میں نیکی کو پروان چڑھانے، بُرائی کا قلع قمع کرنے اور تبلیغ (دین) حق کا سلسلہ جاری رکھنے کا ایک مستقل انتظام فرما دیا۔ آپ نے حق کی حمایت اور باطل کی مزاحمت کو اس امت کے فرد فرد کے مزاج میں راسخ کر دیا۔ اس کے نتیجے میں مسلم معاشرے کے اندر نیکیوں کے لیے فضا ساز گار ہو گئی اور بُرائیوں کے لیے ماحول تنگ ہو گیا۔ اس کے ذریعے معاشرے کی مستقل قدریں وجود میں بھی آئیں اور محفوظ بھی ہو گئیں۔ اور ان قدروں کی حفاظت معاشرے کے فرد فرد کا فریضہ ٹھہرا۔ اس طرح حضورؐ کا قائم کردہ اسلامی معاشرہ ان پائیدار اخلاقی قدروں پر قائم ہو گیا جو تا قیامت ناقابلِ تغیر ہیں۔ پھر حق گوئی کے ذریعے ان قدروں کی حفاظت کا مستقل انتظام بھی کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرے کی حق گوئی اور حق پرستی کا ریکارڈ انسانی تاریخ میں اتنا درخشاں ہے کہ جس کی مثال دنیا کی کسی دوسری سوسائٹی کے پاس موجود نہیں ہے۔